تار کا پتہ
"انجمن" علی گڑھ

رجسٹرڈ نمبر اے ۹۲۲
فون نمبر ۲۹

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ کا پندرہ روزہ اخبار

قیمت فی پرچہ دو آنے — سالانہ چندہ دو روپے

جلد ۱۴	۱۵؍ جون ۱۹۵۵ء	ایڈیٹر: قاضی عبدالغفار	۲۳؍ شوال ۱۳۷۴ھ	نمبر ۱۲

تین ادبی کانفرنسیں

پہلی کانفرنس بہورہ ضلع بلیا کی شاخ انجمن ترقی اردو کی طرف سے ۲۹؍ مئی ۱۹۵۵ء کو بہورہ میں منعقد ہوئی جس میں اردو کی خدمت، اشاعت اور اس کی حفاظت کے طریقوں سے عوام کو آگاہ کیا گیا۔ اس کانفرنس کے ساتھ ایک دینی تعلیمی کنونشن بھی کیا گیا تھا جس کی صدارت مولانا شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی ایڈیٹر معارف اعظم گڑھ نے فرمائی اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے اپنی تقریر میں کہا۔

"اردو کا مسئلہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ مغل دور حکومت میں اردو کو اگرچہ سرکاری سرپرستی حاصل نہ تھی لیکن یہ اس وقت بھی پھلی پھولی اور آج بھی حکومت کی سرپرستی حاصل نہ ہونے کے باوجود زندہ ہے اور زندہ رہے گی۔ زبان کے مسئلہ کو خواہ مخواہ سیاسی مسئلہ بنا دیا گیا ہے اور اسے دن بدن پیچیدہ بنایا جا رہا ہے۔ حالانکہ اس حقیقت سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ اردو ہندو مسلمانوں کا مشترک سرمایہ ہے اور ہندوستان کی جنگ آزادی میں اس کا بہت بڑا مقام ہے۔ تاریخ اسے بھلا نہیں سکتی کہ ہندوستان کی آزادی صرف انقلاب زندہ باد کے نعرہ کی لائی ہوئی آزادی ہے اور یہ انقلاب زندہ باد اردو زبان کا نعرہ ہے۔ کیا انہی کے نعرہ لگا کر آزادی حاصل نہیں کی گئی اور نہ اس کا آزادی کی دوڑ میں کوئی حصہ ہے۔ زبان کا چونکہ کوئی مذہب نہیں ہوتا اور وہ بلا لحاظ مذہب و ملت ان سب کی زبان ہوتی ہے جو اسے بولتے ہیں اس لئے جن جن علاقوں میں اردو زبان پروان چڑھی ہے آج تک انہیں علاقوں میں اردو بولنے والے اور اس علاقہ کے باشندے موجود ہیں۔ جو لوگ اردو کو غیر ملکی زبان کہتے ہیں اور اس کو مٹانے کے درپے ہیں وہ حکومت کے خیر خواہ نہیں ہیں۔ حکومت اپنے دستور میں اردو کو علاقائی زبان تسلیم کر چکی ہے۔ اسے علاقائی زبان کے مطالبے کو پورا کرنا پڑے گا۔"

دوسری کانفرنس بھرونا ضلع دیوریا کے حامیان اردو کی طرف سے ۳۰؍ مئی کی رات میں منعقد ہوئی۔ جس کی صدارت جناب خیر بہروی صاحب قائم مقام جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو ہند نے کی۔ اس کانفرنس کے ساتھ بھی دینی تعلیمی کنونشن کا پروگرام شامل تھا۔ خیر صاحب نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا۔

"اردو زبان اور دینی تعلیم دونوں ہی ہماری قومی اور ملی زندگی کی بقا کے لئے ضروری ہیں۔ کیونکہ دنیا کی کوئی قوم اپنی زبان اور مذہب سے بیگانہ رہ کر اپنے وجود کو باقی نہیں رکھ سکتی۔ اس وقت اگر ہم نے دینی تعلیم کا بندوبست نہیں کیا اور اپنی زبان کی حفاظت کے لئے انتہائی جد و جہد نہیں کی تو ہمارے بچے سب کچھ بن سکیں گے مگر خاکم بدہن اچھے مسلمان کوئی بھی نہیں بنے گا۔"

اور یہ اتنا بڑا قومی نقصان ہوگا جس کی تلافی قیامت تک نہ ہو سکے گی۔

ہندی اس ملک کی سرکاری زبان ہے جس کا سیکھنا ہر وفادار شہری کا فرض ہے اور مسلمان تیزی کے ساتھ اسے سیکھ رہے ہیں۔ مگر صرف ہندی کے سہارے رہ کر ہم اپنے مذہبی رجحانات اور ملی خصوصیات کو برقرار نہیں رکھ سکتے اس لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ہمارے بچے اپنی مادری زبان اردو سے بھی واقف ہوں تاکہ دین کی باتوں سے غافل نہ رہیں۔

ہم سیکولر اسٹیٹ کے باشندے ہیں جہاں ہر شخص کو اپنے مذہب و ملت اور زبان و ادب کی حفاظت کا قانونی حق حاصل ہے۔

تیسری کانفرنس ۱۰ مئی ۱۹۵۵ء کو [illegible] ضلع [illegible] کی انجمن ترقی اردو کے اراکین کی طرف سے دینی تعلیمی کانفرنس کے ساتھ ساتھ کی گئی جس کے صدارتی خطبے میں [illegible] صاحب [illegible] نے فرمایا۔

شعرائے کرام نے زبان کی بہت بڑی خدمت انجام دی ہے۔ مشاعروں سے ہم زبان کی خدمت کے علاوہ باہمی محبت و اتحاد اور یگانگت کا کام بھی لے سکتے ہیں۔

ہندی ہمارے ملک کی سرکاری زبان ہے جس کا سیکھنا ہر وفادار شہری کا فرض ہے اور اس کی ترقی کے لئے کوشش کرنا ہمارا ملکی فرض ہے مگر اردو بھی اس ملک کی زبان ہے اور ہندوستان کی مشترکہ تہذیب اور اتحاد کی یادگار۔ اس کی بقا اور تحفظ کے لئے ہماری ہر سعی ملکی ترقی کا سبب بنے گی۔

زبانیں وہی ترقی کرتی ہیں جو عوام کے خیالات اور جذبات کی ترجمان ہوتی ہیں اور یہ صلاحیت صرف اردو زبان میں ہے

اردو ہندی سے الگ کوئی زبان نہیں ہے اگر تعصب اور تنگ نظری کی دیوار جو اس کے بیچ میں کھڑی کر دی گئی ہے گرا دی جائے۔

ہندی مسلمان حکمرانوں اور مسلمان شعراء کی بدولت پروان چڑھی ہے۔ اس کا ادبی سرمایہ اگر لائق فخر ہوگا تو ہمارے ہی ہاتھوں ہوگا۔ ان کے ہاتھوں نہیں جو ہندی کے نام پر [illegible] رہے ہیں۔

ان کانفرنسوں کی سب سے بڑی خوبی اور خصوصیت یہ تھی کہ ان میں نہ تو دل آزار(?) [illegible] تجویزیں پاس کی گئیں اور نہ ان کے ذریعہ [illegible] پیدا ہوئیں اور نہ یہ کانفرنسیں کسی غرض سے وابستہ تھیں جیسا کہ آجکل ہوشیار سیاسی لیڈر [illegible] کانفرنسوں کے ذریعہ اپنی زندگی کا سامان فراہم کر رہے ہیں۔ اردو کے نام پر اپنی دکانیں سجا رہے ہیں جو ہماری ادبی تاریخ کا عبرتناک باب ہے۔

پنڈت سندر لال کی تقریر

انجمن ترقی اردو شاخ بمبئی کے زیر اہتمام [illegible] میں تقریر کرتے ہوئے پنڈت سندر لال نے فرمایا کہ مذہب کا زبان پر اثر انداز ہونا غلط ہے۔ مذہب دنیا کو ملاتا ہے [illegible] نہیں کرتا۔ اس کا نام لے کر زبانوں کو مقابلہ پر کھڑا کر دینا اور [illegible] پیدا کرنا مذہب کا قائل نہ ہونے کی علامت ہے۔

[illegible] ہمارے [illegible] اسی وجہ سے [illegible] زبان کا نام [illegible] کرتے ہیں۔

اردو ہندوستان کی بہترین زبان ہے۔ [illegible] پنڈت جی اردو کی تاریخ پر ماہرانہ نظر ڈالنے کے بعد فرمایا کہ اردو زبان اپنی جگہ [illegible] اور اسی میں ہندوستان کی تہذیب و تمدن کے الفاظ موزوں تھے [illegible] ملک میں فرقہ پرستی کی ہر دو [illegible] اور عوام کی زبان میں مذہب کے نام پر الفاظ بولنے شروع کر دئے [illegible] دو حصوں میں بٹ گئی مسلم الفاظ اور ہندو الفاظ کے دو الگ [illegible] گئے اور ان کا خمیازہ عوام کو بھگتنا پڑا کہ ان کی اپنی زبان تو چھن گئی اور اس کی جگہ پر دو دوسری زبانیں [illegible] ایک قسم کی اردو اور دوسری قسم کی ہندی۔

اسلام کے نقطہ نظر سے کوئی ایک زبان دوسری زبان پر ترجیح [illegible]

نہیں پاتی۔ سب زبانیں اللہ کی زبانیں ہیں۔ مسلم کو فخر ہے عربی اور فارسی کے الفاظ نے اردو کی تشکیل کی اور ہندو کو فخر ہے کہ زبان کا ڈھانچہ تو ہندوستانی ہے۔ اس باہمی میل سے خوبصورت زبان بنی ہے۔ اس پر بہت سے ہندوستانیوں کو فخر ہونا چاہیئے۔ ہمیں ضد میں آکر دبی دبائی زبانوں کو پیدا کرنے کی جگہ عوامی زبان ہندوستانی کو ترقی دینا چاہیئے۔ ہمارے تعصب کے باعث ہماری قومی زبان کا فرہنگ بگڑ رہا ہے اور ہمارے محاورے اور طرز اسلوب کا گلا گھٹ رہا ہے۔ تعصب کے باعث لوگ "چار چاند لگنا" کو "چار چندر لگنا" کہہ رہے ہیں اور "قلی" کو "بھار واہک" کہا جاتا ہے۔ ہندوستان میں سنسکرت آمیز ہندی نہیں چل سکتی۔ یہ فقط چند روزہ پاگل پن ہے۔ آپ نے چین کی مثال پیش کی کہ کئی سال پہلے اس ملک میں صوبائی زبان کے کام کے لئے ایک زبان بنائی جائے اور ساٹھ ہزار الفاظ پر مشتمل ایک زبان بنائی گئی اور اس زبان میں فقط ہزاروں کی تعداد میں کتابیں چھپ سکیں جب نیا چین بنا ہے تب یہ محسوس کیا گیا کہ ایسی قومی زبان کو قومی کیسے کہا جائے جس میں فقط چند ہزار کتابیں چھپ سکیں۔ چنانچہ آج چین میں نہایت سادہ شکل دے کر اس قابل بنا دیا ہے کہ کروڑوں کی تعداد میں کتابیں چھپ کر پڑھی اور سمجھی جاتی ہیں۔ زبان کو سادہ سے سادہ بنا کر قوم کے کروڑوں لوگوں تک پہنچایا جا سکتا ہے۔ اس طرح نہیں کہ آج کی طرح "تب" کو "ڈکول" کہا جائے۔ ہم اس ملک میں ایسا کر رہے ہیں گویا ہم احمقوں کا ایک گروہ ہیں اور ہم حماقت آمیز حرکتیں کر رہے ہیں۔ کوشش تو یہ ہونی چاہیے کہ زبان سادہ سے سادہ ہو تاکہ ہند کا ہر شخص اسے سمجھ سکے مگر بدقسمتی سے ہم غلط راہ پر چل کر قوم کی زبان کو مشکل سے مشکل کرتے جا رہے ہیں جس سے عوام کو دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اگر ہندی کو اسی طرح مشکل بنانے کی کوشش کی جاتی رہی تو ملک ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیگا۔ روزمرہ کی بول چال کی زبان ہی دنیا میں چلے گی۔ اردو والوں کو صبر سے کام لینا چاہیئے اور چاہیئے کہ وہاں کی علاقائی زبان کو بھی سیکھیں تاکہ آئندہ نسل زبانوں کی اتنی واقفیت کی مالک ہو کہ ایک عمدہ قومی زبان کی تشکیل کر سکے۔ آپ نے کہا کہ حکومت کی مدد سے زبان کی توقع درست نہیں۔ صوبہ بمبئی کی حکومت کی پالیسی کی تعریف کرتے ہوئے پنڈت جی نے فرمایا کہ حالات سے استفادہ حاصل

اُردو کی ہمہ گیری

(پروفیسر معین الدین ردولی)

یوگوسلاویہ میں آج جمہوری حکومت ہے لیکن ایک صدی سے کم ہی دنوں کی بات ہے کہ وہ اسلامی مملکت کا ایک حصہ تھا۔ سلاطین روم کے ماتحت رہ کر اس نے اسلامی روایات اور تہذیب و تمدن سے جس قدر فائدہ اٹھایا وہ آج بھی پوشیدہ نہیں۔ لیکن سب سے زیادہ دلچسپ اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ وہاں کے عوام کی

....

.... سب سے مستند زبان سربو کروٹ ہماری اُردو زبان سے بہت زیادہ متاثر ہے۔ وہاں کی زبان و ادب کا سرسری مطالعہ کرنے سے ہمیں اس میں اُردو الفاظ کی کثرت کا پتہ چلتا ہے حیرت اس وقت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ صدیوں ترکی سلاطین کے زیر نگیں رہنے کے بعد بھی سربو کروٹ زبان میں اردو الفاظ ترکی الفاظ سے بہت زیادہ تعداد میں موجود ہیں۔

سربو کروٹ پر اردو زبان کا کس حد تک اثر پڑا ہے اسے ہم مثال دے کر تفصیل سے پیش کریں گے جس سے اردو کی ہمہ گیری کا صحیح اندازہ ہوگا۔

بہت سے پودے، معدنیات، جانور اور غذا کے لئے سربو کروٹ نے اردو زبان سے جو الفاظ مستعار لئے ہیں اس کی فہرست ملاحظہ ہو

اردو الفاظ	سربو کروٹ میں اس طرح استعمال کئے گئے ہیں
افیون	OFIoh
بادام	Badem
شوربہ	Shorba
دھواں	Duhdh
حلوہ	Halva
خاگینہ (انڈا)	Kajgan
کیسہ	Kesa
جیب	Dzep
بازار	Pazar
میمون (بندر)	Majmun
نعنا (پودینہ)	Nana
انار	Nar
بطخ	Patak
پلاؤ	Pilav

برنج	Pirinach
صابون	Sapun
صدف	Sadif
سنبل (پھول)	Zumbul
شمشاد (پھول)	Shimshir
قرنفل (لونگ)	Karanfil
معجون (دوا)	Madjuh
علاج	Iladz
مرہم	Malam
سرمہ	Surma
حنا	Hina
حکیم	Ikim

یوگوسلاویہ میں عوام کے اندر بولی جانے والی سرب و کروٹ چونکہ روسی زبان سے بہت قریبی تعلق رکھتی ہے اس لئے سیلاوونک Salvonic الفاظ اور جملے مستعار اردو الفاظ کے ساتھ ملے جلے کثرت سے ملتے ہیں جنھیں سیلاوونک قواعد اور گرامر کے ماتحت تراش خراش کر سرب و کروٹ زبان نے بڑی خوبصورتی سے اپنا لیا ہے۔ مثلاً حمال (بوجھ ڈھونے والا) اردو لفظ ہے۔ سرب و کروٹ نے اسے (H)amalin بنا کر اپنے یہاں لے لیا جبکہ قید کے معنی میں اردو میں مستعمل ہے۔ سرب و کروٹ میں اس کے لئے (H)aps آتا ہے اور اس سے فعل (H)apsite یعنی قید کرنا بنا لیا ہے۔ اردو میں بولا جاتا ہے۔ "کوئی فائدہ نہیں" سرب و کروٹ نے پورے اس جملہ کو Nemafajde یعنی "نہیں فائدہ" (فائدہ = Fajde) کی شکل میں لے لیا ہے۔ پاپوش کے لئے سرب و کروٹ میں Papuca آتا ہے اور اسی سے اردو ضرب المثل بیوی کی جوتی اٹھانے والا (زن مرید) کے بالکل ہم معنی Podpapuca بنایا گیا ہے۔

اسی طرح

پژمردہ کے لئے	Pasamurah
کرایہ دار کے لئے	Kiraidzija
امانت کے لئے	Amanet
عاشق کے لئے	Asik

آتا ہے :

بہت سے اردو کے الفاظ خصوصیت کے ساتھ جو صفت کی حیثیت سے مستعمل ہیں سرب و کروٹ زبان میں بالکل اپنی اصلی شکل میں بغیر کسی قسم کی تبدیلی کے پائے جاتے ہیں مثلاً

اردو الفاظ	سرب و کروٹ الفاظ
تازہ	Taze
ناشتہ	Naste
حلال	Halal
مفت	Mufte
عناد (دشمنی)	Inat
تمام	Tamam
بارے	Baram

بہت سے اردو الفاظ سرب و کروٹ زبان میں اس طرح استعمال کئے گئے ہیں کہ لفظ تو بغیر کسی تبدیلی کے اپنی اصلی ہی شکل میں ہیں لیکن سرب و کروٹ زبان کی مطابقت میں طرز، آواز کے دباؤ، لہجہ اور تلفظ کے بدل جانے سے کچھ کچھ فرق ہو گیا ہے مثلاً

اردو الفاظ	سرب و کروٹ میں اس طرح تلفظ ہے
دھواں	Duha Duvah
برکت	Bariket
کور (اندھا)	Korav
چشمہ (جھرنا)	Chesma
فنجان	Fildzan
توشک	Dushek
بستان (باغیچہ)	Bushta
توبڑا (تھیلا)	Tobra
مژدہ	Mushta
محلہ	Mala
قفس	Kavez
بارود	Barut
قادر (طاقت والا)	Kadar
ساعت (گھنٹہ)	Sahat
پارچہ (کپڑا)	Parche
مہمیز (گھوڑے کو ایڑ لگانا)	Mamuz
حیوان	Haivan
مربہ	Marva
مال	Mal

مندرجہ بالا اردو الفاظ چودھویں صدی عیسوی سے لیکر اب تک سرب و کروٹ زبان نے مستعار لئے ہیں لیکن چودھویں صدی سے

پہلے ہی قدیم فارسی الفاظ بہت کافی حد تک سیلو ونک زبان کے اندر داخل ہو چکے تھے اور یہ الفاظ تقریباً تمام سیلو ونک زبانوں میں خصوصیت کے ساتھ روسی زبان میں کثرت سے شامل ہیں اور وہ گھس پس کر اس زبان کے جزو ہو گئے ہیں اور چونکہ ان الفاظ میں مخرجی فرق بھی باقی نہیں رہا اس لئے بعض وقت ہمیں تمیز کرنے میں بھی کافی دقت ہوتی ہے۔ چند الفاظ مثال کے طور پر ملاحظہ ہوں۔

قدیم فارسی الفاظ	سیلو ونک زبان میں مستعمل ہیں۔
چوبان (چرواہا)	cobah
مغز	mozdK
بط	PdtdK
بارے	Bar
لاش	Lesh

بہت سے اردو الفاظ ایسے ہیں جو وہاں کے لوگوں نے رسم و رواج اور روایات کے اظہار کے لئے قبول کر لیا ہے اور وہ یوگوسلاویہ میں بلا تفریق مذہب ہر فرقہ کے لوگوں میں بولے جاتے ہیں جیسے

امانت	Amahet
دیور (شوہر کا چھوٹا بھائی)	Dever
جیٹھ (شوہر کا بڑا بھائی)	zet
میراث (جہیز کے معنی میں)	Miraz

اردو زبان کے بہت سے ہی اصطلاحات جو پیشہ وروں کے لئے مخصوص ہیں یا جو صرف کاروبار اور تجارت میں استعمال کئے جاتے ہیں سربو کروٹ زبان نے قبول کر کے بہت خوبی سے اپنا لیا ہے۔ مثلاً

اردو الفاظ	سربو کروٹ میں اسطرح مستعمل ہیں
آلات	Alat
شاگرد (جو کام سیکھ رہا ہو)	shagrt
صندوق	SandUK
قصاب	Kasapih
کالبد	KalUP
اسباب (سامان تجارت)	ESPap
مے خانہ (سرائے کے لئے)	Mehana
خنجر	Handjar
دفتر (بہی کھاتہ کے لئے)	Tafteir
معدان	maidan
تکمہ (بوتام)	Dugme

صنعت	Zanat
ترازو	Teraziya
قلعی	Kaldjisatti
فتیلہ	Fitelj
مشتری (خریدار)	Musterija
نشان	Nishan
ظلم	Zulum
ابلق	Jablah
مفت	Mufte
دشمن	Dushman
دلبر (معشوق)	Dilber
حب (محبت)	Hubay
بدبخت	Baksuzan

مزا یہ ہے یہ دلچسپ حقیقت قابل ذکر ہے کہ سرب و کروٹ کی موجودہ ادبی زبان سب سے زیادہ بوسینا ہرزگووینا Bosnia Herecgovina کی مستند مانی جاتی ہے جو مسلم آبادی کا مخصوص صوبہ ہے اور جہاں کی خاک سے بڑے بڑے نامی ترکی زعماء مدبرین اور سپہ سالار پیدا ہوئے۔

سربو کروٹ زبان کی مستند لغت VUKKaradzich ابھی حال ہی انیسویں صدی کے شروع میں شائع ہوئی ہے۔ اس لغت کو ہم سرب و کروٹ زبان و ادب کا سنگ بنیاد کہہ سکتے ہیں۔ اس لغت کا بہ نظر غائر جو شخص بھی مطالعہ کرے گا اسے معلوم ہوگا کہ اس میں ترکی اور اردو الفاظ بہ کثرت موجود ہیں۔ یہ لغت ہمیں ان قدیم الفاظ کی بھی نشان دہی کرتا ہے جو پہلے مستعمل تھے لیکن اب بمرور ایام ان کا استعمال کم ہوتا جا رہا ہے۔ موجودہ دور کا مشہور ناول نویس Ivo Andrilch جس پر یوگوسلاویہ کو بجا طور پر ناز ہے اپنے ناول میں ترکی اور اردو الفاظ کافی استعمال کرتا ہے۔ اس کے اکثر قصوں کے کردار بوسینا کے شریف مسلم خاندانوں کے افراد ہیں۔ اس نے اپنی کتابوں میں ترکی مسلمانوں کے محاورات ضرب الامثال روایات اور رسم و رواج کو بہت نمایاں طور پر پیش کیا ہے اور اس کے ان قصوں پر عرصہ تک یوگوسلاویہ ادب کو ناز رہے گا۔

اردو زبان

صغیر احمد بلیاوی - بی ایس سی - بی ایڈ (علیگ)

اردو کے بارے میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔ بہت سے لوگوں نے کہا ہے۔ بہت طرح سے کہا ہے اور خوب کہا ہے۔ میں اس وقت آپ سے صرف یہ کہنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ اردو کے مستقبل سے آپ مایوس نہ ہوں۔ اردو ایک زندہ زبان ہے، یہ مرے گی نہیں بشرطیکہ آپ خود اپنی زندگی کا ثبوت دیں۔ تاریخی حقائق اور لسانیاتی قانون پر میں ایمان رکھتا ہوں۔ تعصب و تنگ نظری، ضد اور ہٹ دھرمی سے حقائق نہیں بدل جاتے۔ قانون نہیں ٹوٹتے۔ ہاں کچھ دشواریاں ضرور پیدا ہو جاتی ہیں۔ ان دشواریوں پر قابو پانا ہمارا اور آپ کا کام ہے۔

ابھی میں نے جو یہ عرض کیا کہ اردو کے مستقبل سے مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں، یہ کسی غلط فہمی یا خوش فہمی کی بنا پر نہیں ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ اردو کی پیدائش فطری طور پر ہوئی ہے۔ یعنی یہ پیدا ہوئی ہے، پیدا کی نہیں گئی ہے۔ دو، چار، دس یا سو ہزار اشخاص یا شاعروں نے اپنے ذوق اور جذبہ کی تسکین کے لئے اسے پیدا نہیں کیا بلکہ ایک شخص کے دل کی بات کو دوسرے شخص کے دل میں ڈالنے کی ضرورت نے اسے پیدا کیا، سماجی اور اجتماعی زندگی کے تقاضوں نے اسے پیدا کیا، زندگی اور جینے کے اصول نے اسے جنم دیا۔ ہندوستان کی زمین پر اردو کی پیدائش کو میں "انسانیت" کا تقاضا سمجھتا ہوں! اپنی بات دوسروں سے کہنا، دوسروں کی سننا اور سمجھنا، تبادلۂ خیال و افکار حضرت آدم کی امتیازی شان ہے اور میں اسے اردو کی بھی شان سمجھتا ہوں!

اس زبان نے جو ادب پیدا کیا ہے اور مختلف دور میں ادب کا جیسا نمونہ پیش کیا ہے وہ ہمیں اس کا یقین دلاتا ہے کہ اس زبان میں ایک زندہ زبان کی تمام خوبیاں موجود ہیں۔ دورِ قدیم کی شاعری سے لے کر آج تک کے ادبی کارناموں کا جائزہ لے لیجئے۔ آپ کو نشو و ارتقا کی زنجیر مسلسل اور باہم دگر مربوط ملے گی جو زندگی کی پہچان ہے۔ اردو ادب کی پچھلی صدسالہ تاریخ کو نظر میں لائیے۔ آپ کو سرسید، حالی اور شبلی ملیں گے۔ جنھوں نے اردو کو رسمی اور زندگی سے بے ربط شاعری کے دلدل سے نکال کر نثر کی وادی کی سیر کرائی۔ اسے مانجھا اور سنوارا، اسے بلند اور صالح ادبی اور علمی قدروں سے آشنا کرایا، اس میں فلسفیانہ اور سائنٹفک طور پر اظہار خیال کی صلاحیت اور استعداد پیدا کی اور اس زبان میں ایسا لٹریچر پیدا کیا جسے دنیا کے مہذب اور ترقی یافتہ لٹریچر کے مقابلہ میں پیش کیا جا سکتا ہے! اس سلسلہ میں نذیر احمد، محمد حسین آزاد، منشی ذکاء اللہ کی ادبی، فنی اور اخلاقی تخلیقات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

پھر ترقی پسند تحریک پر غور کیجئے۔ یہ تحریک ان قدروں کی علمبردار ہے جو ادب، زندگی اور سماج کے بارہ میں بیسویں صدی کے آغاز میں متعین ہوئیں۔ میں ان قدروں کی اچھائی برائی، معقولیت اور نامعقولیت کے بارہ میں کچھ نہیں کہوں گا۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ یہ تحریک زبان اور ادب دونوں کے ارتقائی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ کچھ نئے تجربے ہوئے جس میں غلطیاں بھی ہوئیں لیکن ادب میں گراں قدر اضافہ بھی ہوا۔ نئے فارم اور نئے موضوع کی دریافت ہوئی جس سے ایک نیا اسلوب پیدا ہوا اور نیا رنگ و آہنگ ابھرا۔ انگریزی اور دوسرے ترقی یافتہ ادب سے بھی اردو ادب نے کافی اثر قبول کیا ہے جس سے ایک نیا ادبی شعور اور نقطۂ نظر پیدا ہوا ہے۔

فن، فارم اور موضوع کے اعتبار سے بھی دیکھئے تو اردو میں ہر طرح کی چیزیں ملتی ہیں۔ مذہب، اخلاق اور فلسفہ، ادب اور تاریخ ہر فن پر معتبر تصنیفیں اس زبان میں موجود ہیں۔ قصے، کہانیاں، افسانے، ناول بھی معیاری پیمانے پر لکھے گئے ہیں اور لکھے جا رہے ہیں۔ مختصر افسانے ہر زبان میں آج کل قدر کی نگاہ سے دیکھے جا رہے ہیں۔ پریم چند، بیدی، سدرشن، کرشن چندر، منٹو وغیرہ کی تخلیقات نے اردو زبان کا سر اس میدان میں بھی اونچا کر دیا ہے۔ ان کی تخلیقات کا معیار خاصہ بلند ہے۔ ادبیات میں طنز و ظرافت کا میدان بڑا دشوار اور بڑا خطرناک میدان ہے لیکن اردو کے سورماؤں نے اس میدان میں بھی اپنا جھنڈا گاڑا ہے۔ اکبر الہ آبادی نے اپنے نیر و نشتر سے مشرقی اور ہندوستانی تہذیب کی قدروں کی تحفظ کا کام اس وقت لیا جب خدا کا نام لینے پر بھی پولیس میں رپٹ لکھوائی جاتی تھی! اس میدان کے شہسوار اور اس کے امام آج بھی موجود ہیں!

میں یہاں اردو شاعری کا ذکر چھیڑنا نہیں چاہتا لیکن اتنا کہے بغیر بھی نہیں رہ سکتا کہ اردو شاعری نے ہندوستانی تہذیب کی تعمیر میں بڑا حصہ لیا ہے۔ اردو شاعری کی ایک صنف غزل ابھی ہے جس کے بارے میں رشید احمد صدیقی نے ایک جگہ کہا ہے کہ غزل ہماری تہذیب کی آبرو اور ہماری تہذیب غزل میں ڈھلی ہوئی ہے۔ سچ یہ ہے کہ اردو غزل پر زندگی [illegible] غزل کا چھاپ پڑا ہے۔ پھر بھی اپنے مواد، موضوع اور مزاج کے اعتبار

یہ ہندوستانی ہی ہے اور پھر انسانی فطرت اور زندگی کی قدریں جن کی ترجمانی شاعری ہوتی ہے نہ تو ہندوستانی ہوتی ہیں نہ ایرانی بلکہ وہ انسانی ہوتی ہیں آفاقی ہوتی ہیں۔ دیوانِ غالب کا تعارف کراتے ہوئے عبدالرحمن بجنوری نے یہ کہا کہ ہندوستان کی الہامی کتابیں دو ہیں۔ وید مقدس اور دیوانِ غالب۔ آج اسی الہامی کتاب کی زبان کو بدیسی کہا جاتا ہے!

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھئے!

مشاہدۂ حق کی گفتگو "بادہ و ساغر" کی زبان میں، طبائع پر کسی اور کسی طرح اثر ڈالتی ہے ہم سب محسوس کرتے ہیں۔ اردو زبان میں گفتگو کا یہ سلیقہ بھی اردو غزل کے ذریعہ آیا۔ یہ اردو زبان کی عظمت کی دلیل ہے۔ میرا تو کچھ ایسا خیال ہے کہ اردو زبان میں اردو غزل نے جو بانکپن اور رعنائی پیدا کی ہے وہ شاید ہندوستان کی کسی زبان میں نہیں!

پھر ایک نظر اقبال پر ڈالئے۔ زندگی اور انسانیت کی بلند اور عظیم قدروں کو اقبال نے کس خوبی سے اسی زبان میں ادا کیا ہے۔ میں آپ کو یہ جتانا چاہتا ہوں کہ اس زبان میں کتنی لچک اور بڑھنے اور پھیلنے کی کیسی صلاحیت موجود ہے کہ اقبال جیسے شخص اور مفکر کے قلب و جگر کی سوزشیں اور فکر و نظر کی وسعتیں نہایت خوبی اور خوبصورتی کے ساتھ اس میں سما سکتی ہیں۔ یہ معمولی بات نہیں، ایک بڑی زبان میں ہی یہ خصوصیت ہو سکتی ہے۔

کہا جاتا ہے انگریز قوم کسی قیمت پر شیکسپیر کو دینے کے لئے تیار نہیں ہوتی لیکن محض تنگ دلی اور تنگ نظری کی بنا پر ہم غالب اور اقبال سے ہاتھ دھونے کو تیار ہیں! ہندوستان کے لئے یہ انتہائی شرم کی بات ہے۔ یہ ہماری اور ہندوستانی تہذیب کی بہت بڑی بدقسمتی ہے۔ یہ شخصیتیں وہ ہیں جنہیں تہذیب کا سرچشمہ کہا جا سکتا ہے۔

جس زبان میں وسعت کا یہ عالم ہو جس میں زندگی کی قدروں کو ڈھالنے اور ان میں ڈھل جانے کی ایسی قدرت ہو، جس میں نمو اور ارتقا کی ایسی استعداد پائی جاتی ہو، جس کی رگوں میں صالح اور تندرست خون گردش کرتا ہو اسے زندہ نہ کہنا اور نہ سمجھنا، کیا کہوں کیا ہے۔ آپ یقین کیجئے، جو یہ کہتے ہیں کہ یہ کوئی زبان نہیں وہ اپنی عدم واقفیت کی بنا پر نہیں کہتے، نہ یہ ان کی عقل کا پھیر ہے، بلکہ ان کی نیت کا پھیر ضرور ہے جس کا علاج تو کسی نبی یا پیغمبر ہی کے پاس ہو سکتا ہے۔ گاندھی جی بھی اگر آج زندہ ہوتے تو صورتِ حال یہ نہ ہوتی جس سے ہم آج دوچار ہیں!

اس موقع پر میں ان کی خدمت میں، جو اردو کی دشمنی اور مخالفت کو عبادت سمجھتے ہیں اور اردو کے کھنڈر پر ہندی کی عمارت کی تعمیر کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ دو باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں، اول تو یہ کہ اردو کو ختم کرنے کی کوشش ایک ایسی کوشش ہے جیسے ہمالیہ کو گرانے کی کوشش یا دریا کو خشک کرنے کی کوشش! ان کی کوشش کا نتیجہ کچھ اور ہو سکتا ہے۔ لیکن وہ نہیں ہو سکتا جو ان کی نیت ہے۔

دوسری بات یہ کہ ہندی کی اشاعت اور ترقی کے یہ معنی کہاں ہیں کہ اردو کو ختم کر دیا جائے۔ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کہیں نشیب ہے جہاں پانی مرتا ہے۔ میں اس جملہ کی وضاحت کرنا نہیں چاہتا لیکن ہندی کے پنڈتوں اور بھگتوں سے یہ ضرور کہنا چاہتا ہوں کہ اردو کی ترقی اور اشاعت ہندی کی ترقی اور اشاعت کے لئے مفید ہو سکتی ہے۔ یہ دونوں زبانیں ہندوستانی ہیں۔ ہندوستان کی فضا میں پیدا ہوئی ہیں، دونوں کی مزاج میں یگانگت ہے، اثر و تاثر کا عمل دونوں کے درمیان ہر لحظہ اور ہر لمحہ جاری ہے۔ ہندی زبان اور ادب نے اردو زبان اور ادب پر اور اردو زبان اور ادب نے ہندی زبان اور ادب پر کیا اور کیسا اثر ڈالا ہے۔ یہ ایک تحقیقی کام کا موضوع ہو سکتا ہے جسے ہندوستانی زبان اور ہندوستان کی مشترکہ تہذیب سے دلچسپی رکھنے والوں کو کرنا چاہئے۔ میرا کچھ ایسا خیال ہے کہ دنیا کی بعض ترقی یافتہ زبانیں ایسی ہیں جن سے اردو زبان جس طرح اور جس قدر فائدہ اٹھا سکتی ہے، ہندی زبان نہیں اٹھا سکتی لیکن اردو زبان پر ان کا جو اثر ہوگا اس سے ہندی زبان فائدہ اٹھا سکتی ہے۔ یہی بات ہندی زبان کے بارہ میں بھی کہی جا سکتی ہے۔ ان دونوں زبانوں کو ساتھ ساتھ ترقی کرنے کا موقع دینے سے دونوں پر بڑا خوشگوار اثر ہوگا۔

اردو زبان کے مسئلے نے جو پیچیدگی اختیار کر لی ہے میں اسے جمہوریت کے لئے چیلنج سمجھتا ہوں۔ اردو زبان ہندوستان کی مشترکہ تہذیب کی یادگار ہے۔ اس کی ترقی اور اشاعت میں اور اس کے ادب کو اچھا اور عظیم بنانے میں ہندوؤں اور مسلمانوں نے برابر کا حصہ لیا ہے۔ غضب ہے کہ چکبست، سرشار، سرور جہاں آبادی، پریم چند کو آپ آج ہی بھولے جا رہے ہیں اور فراق گورکھپوری، جوش ملسیانی، جگن ناتھ آزاد، عرش ملسیانی وغیرہ تو ابھی ہمارے درمیان خدا کے فضل سے زندہ ہیں۔

آخر میں اردو کے دوستوں سے نہایت مختصر طور پر یہ کہنا چاہتا ہوں کہ حکومت سے جو ان کے مطالبات ہیں [illegible] کے لئے وہ جو سعی کر رہے ہیں وہ تو اپنی جگہ ٹھیک ہی ہے لیکن حکومت

یہ اگر سچ ہے

اردو کو اس کے دشمنوں نے اتنا صدمہ نہیں پہنچایا جتنا خود دوستوں کے ہاتھوں پہنچا ہے۔ اس ایک جملے کی داستان تو بہت لمبی ہے لیکن ہم یہاں صرف دو ایک تازہ واقعات کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں۔

مرکزی حکومت کی طرف سے تعلیم بالغان اور سوشل ایجوکیشن کے سلسلہ میں ہماری اردو اور دوسری بڑی زبانوں میں عام لوگوں کی پڑھت ہی کے قابل FOLKUTEBATURE کی کتابیں [illegible] چھپوائے جاتے ہیں۔

کتابیں تیار کرنے والے اداروں اور مصنفوں کو گورنمنٹ کی طرف سے عام دعوت ہے کہ وہ چناؤ کے لئے اپنی اپنی کتابیں پیش کریں۔ کتابیں تیار نہ ہوں تو مسودے ہی بھیج دیں۔ جو کتابیں یا مسودے منظور ہوں گے ان کی کئی کئی ہزار جلدیں بھی چھپوائی جائیں گی اور مصنفوں کو انعام بھی دیا جائے گا۔

۳۱ر مئی اس چناؤ میں شریک ہونے والوں کے لئے آخری تاریخ تھی۔ ہندی کے لیکھکوں اور پرکاشکوں کی طرف سے اندازاً پانچ سو کتابیں اس مقابلے میں بھیجی گئیں جن میں اچھی بھی تھیں بری بھی تھیں لیکن اردو کی طرف سے بمشکل ایک درجن کتابیں پہنچیں۔ دلّی میں پورا اردو بازار آباد ہے جہاں ایک پبلشر دوسرے پبلشر سے چند ٹکوں کی خاطر روز دست و گریبان رہتا ہے لیکن پورے بازار سے دو کتابیں بھی اس مقابلے میں شریک نہیں کی گئیں۔

پچھلے سال ۷، ۸ اردو کتابیں اس چناؤ میں شریک ہونے کے لئے آئی تھیں جن میں پہلا دوسرا تیسرا انعام بانٹ دیا گیا۔ جس بورڈ پر سوشل ایجوکیشن کے لئے کتابیں چننے کی ذمہ داری ہے وہ اردو کی اس بے حسی یا بے بضاعتی سے اتنا بددل ہو گیا ہے کہ آئندہ اردو کی کتابوں کو مقابلے میں شریک کرنے کی دعوت سے ہاتھ اٹھا لینے کی سوچ رہا ہے جس کے بعد اردو والے نہ صرف ہائے واویلا کریں گے بلکہ اور زیادہ اس [illegible] ایک دوسرے سے الجھنے اور ایک دوسرے کی کتابیں چھپے چوری چھاپ لینے کی ذلیل مہم اور تیز کر دیں گے۔

ایسا ہی واقعہ پچھلے سال یو۔پی میں ہوا کہ حکومت یو پی نے تمام صوبے کی سرکاری نیم سرکاری لائبریریوں کے لئے کتابیں خریدنے کے لئے جو کئی لاکھ کی رقم منظور کر رکھی ہے اس میں تہائی سے کچھ کم حصہ اردو کی کتابیں خریدنے کے لئے وقف ہے۔ ان کتابوں کو چننے کے لئے اردو کے ادیبوں اور بزرگ ممبروں کی کمیٹی بھی مقرر ہے۔ سرکاری بورڈ کی طرف سے بار بار کمیٹی کے ممبروں کو لکھا گیا کہ وہ اپنی میٹنگ کریں اور مقابلے کی کتابیں جب چناؤ کر کے اپنے فیصلے سے حکومت کو آگاہ کر دیں تاکہ یہ کتابیں خریدی جائیں۔ لیکن پورا سال گزر گیا اور اردو کی بدولت آرام اور عزت کی زندگی بسر کرنے والے ان نامور اور ذی ہوش لوگوں کو میٹنگ تک کرنے کی توفیق نہ ہوئی۔

نتیجہ جو ہونا تھا وہی ہوا کہ میعاد گزر گئی اور کتابیں ردّی کی ٹوکری میں چلی گئیں۔ یو۔پی اور بہار سے دو ایسے ہی اور واقعات کی اطلاع ملی ہے جن میں اردو کتابوں اور ادیبوں کی حق تلفی خود علم برداران اردو کی وجہ سے ہوئی ہے۔

یہ اگر سچ ہے تو اردو والوں پر اسی ادبار کا نتیجہ ہے اور اسی غفلت اور عاقبت بینی کی دوسری شکل ہے جس کی پہلی شکل مشاعرہ بازی اور شاعر خیزی کی وبا کے طور پر ہمارے سامنے ہے اور اس کا نتیجہ معلوم۔

(آئینہ۔ نئی دہلی)

کچھ اردو کے متعلق

(نثار احمد فاروقی)

کچھ لوگ میری یہ رائے سن کر چونک رہے ہیں کہ اب ہندوستان کے مسلمانوں کو اردو زبان کے تحفظ کے لئے پوری کوشش کرنی چاہیئے اور ببانگ دہل اقرار کر لینا چاہیئے کہ اردو صرف مسلمانوں ہی کی زبان ہے اور اسے زندہ رہنے دینا اور پھلنے پھولنے کے مواقع فراہم کرنا حکومت ہندوستان کا فرض ہے۔ اور یہ چونکنے والے لوگ بڑی سرگوشی کے انداز میں مجھ سے کہتے ہیں کہ بھائی نئے ہندوستان میں کسی چیز کو ہندو مسلم سوال بنانا مصلحتوں سے ٹکرانا ہے۔ یہ کلمۂ کفر ہے اسے زبان پر مت لاؤ۔ میں انھیں سمجھاتا ہوں کہ قبلہ میں بھی کوئی فرقہ پرست نہیں ہوں۔ فرقہ پرستی کو اتنا ہی بلکہ اس سے بھی برا سمجھتا ہوں جتنا ہماری سیکولر حکومت (اسے چشم زخم سے محفوظ رکھے!) جانتی ہے اور مانتی ہے۔ میں خود ہندوستان کی تعمیر کو اور اس کی ترقی کو سب سے مقدم سمجھتا ہوں کیونکہ ملک کی ترقی کا مطلب ہے قوم کی خوشحالی۔ عزت اور فراغت۔ لیکن اس کا کیا علاج ہے کہ میری سات سو سال تک خون جگر سے سینچی ہوئی زبان اور اس زبان کی تعمیر کی ہوئی سندر اور شیریں تہذیب کا گلا گھونٹا جا رہا ہے۔ اس کے تحفظ کی کوئی اور صورت بتاؤ۔ وہ دوست کہتے ہیں کہ اردو کا مقدمہ صدر جمہوریہ کے زیر غور ہے۔ اس کا جب تک کوئی نہ کوئی فیصلہ ہو جائے چپ بیٹھنا ہی مناسب ہے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ "سرکار" یہ غور تو ہوتا ہی رہے گا۔ والے بھی ہوتے رہیں گے۔ یہ غور اور یہ والے اس وقت کسی فیصلہ کن منزل پر پہنچیں گے جب ہندوستان میں ہندی جاننے والوں کی تعداد حکومت کے حسب منشا و مراد ہو جائیگی۔ اور اس وقت

نہایت طمانیت کے ساتھ یہ کہہ دیا جائے گا کہ اردو پڑھنے اور لکھنے والے ہندوستان میں بیس ہزار بھی نہیں ہیں۔ یہ بھی بھلا کوئی زبان ہوئی؟ کیا اس کے تحفظ اور بقا کی رٹ لگا رکھی ہے۔ گھر بیٹھو اور ہندی پڑھو۔ یہ بات انہونی نہیں ہے۔ ایسا ہی کئی بار ہوا ہے اور سیاست کی دنیا میں یہ بات عین ثواب ہے۔ جب ہماری جانشین نسل بیک اسکولوں سے لے کر یونیورسٹی تک ہندی پڑھتی چلی جائے گی اور اس کے پاس علمی صلاحیت ہی ہندی کی ہوگی تو وہ اردو کے تحفظ کا درد سر ہی کیوں مول لے گی؟ اور بالفرض کوئی اس کے لئے آواز اٹھائے گا بھی تو حکومت پھر اردو کا تحفظ کر کے ہندی کی ترقی کو اپنے ہاتھوں کیوں روکنے لگی؟ رہی یہ بات کہ اردو کو ہندوستانی مسلمانوں کی ہی زبان مت کہو وہ تو سارے ہندوستانیوں کی زبان ہے۔ متحدہ قومیت کی زبان ہے۔ ویسے تو یہ بات مسلّم شدہ ہے کہ مسلمان اردو کے تنہا اجارہ دار نہیں ہیں لیکن جب پندرہ برس سے یہ کہتے کہتے منہ سوکھ گیا ہو اور فرقہ پرست ذہنوں پر اس کا اثر مطلق نہ ہوا ہو تو اب یہ بات کہنا اردو مسلمانوں کی زبان نہیں ہے مجھے تو ہندو فرقہ پرستی کی کھلی ہوئی خوشامد اور مسلمانوں کی ڈھٹائی نظر آتی ہے۔ ویسے یہ بات فرقہ پرست بھی جانتے ہوں گے کہ اگر اردو مسلمانوں کی ہی زبان ہوتی تو آج وہ پاکستان کی سرکاری زبان بن چکی ہوتی۔ لیکن وہاں اس کی مٹی ہندوستان سے زیادہ پلید ہوئی ہے۔ اس سے یہ اندازہ کرنا کیا مشکل ہے کہ اردو دراصل پنجاب کی۔ یو۔پی کی اور بہار کے ایک حصہ کی۔ جنوبی ہند کی بڑی آبادی کی اور ہندوستان کے دوسرے صوبوں کے کچھ حصوں کی باکچھ آبادی کی زبان ہے بغیر اس امتیاز کے کہ وہ آبادی ہندو ہے یا مسلمان سکھ ہے یا پارسی۔ لیکن فرقہ پرست بقول خود اسے مسلمانوں کی زبان تو کہتے ہی ہیں اس سے تو انحراف نہیں کر سکتے اور ہماری حکومت کا سلوک بھی اس کے ساتھ سوتیلی ماں کا سا ہے اور ایسا ہی پُر شفقت ہے جیسا کہ شوہر کے ہر دلعزیز بچے کا۔ ہندوستان کے احسان فراموش مسلمانوں کے ساتھ۔ ان حالات میں یہ مطالبہ کیوں نہ کیا جائے کہ اردو کو مسلمانوں کی زبان مان کر مسلمانوں کو یہ حق دے دو کہ وہ اسے لازمی مضمون کی حیثیت میں پڑھ سکیں اور مسلمانوں کو یہ چاہیئے کہ جن اسکولوں میں ان کے بچوں کو اردو لازمی مضمون کی حیثیت میں نہ پڑھائی جائے وہ ان مدرسے میں اپنی اولاد کو داخل ہی نہ کریں۔ ان کی اولاد کا جاہل اور نکھٹو رہ جانا اس سے اچھا ہوگا کہ وہ اپنی زبان اور اپنی تہذیب و کلچر سے بیگانہ ہو کر جئیں۔ اور ذہنی و فکری اعتبار سے دو ہزار سال پرانے ہندوستانی معلوم ہوں۔ میں یہاں ہندی کی مخالفت نہیں کرتا۔ یہ بات پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ ہم ہندی کو قومی و سرکاری زبان تسلیم کر چکے ہیں اور اسے پڑھیں گے بھی۔ لیکن سوال اُردو کے تحفظ اور اس کی بقا کا ہے۔ اس لئے ہم یہ ہرگز گوارا نہ کریں گے کہ اُردو زبان ہماری آنکھوں کے سامنے اس تحقیر و ذلت کے ساتھ گمنامی کے گڑھے میں دھکیل دی جائے اور ہماری تہذیب کا زیور اس طرح بے دردی سے ذبح کیا جائے۔ اگر ہمیں صرف اردو کے تحفظ کا ہی رونا ہوتا تو بھی غنیمت تھا لیکن وہ تو ایک ایسی روح مردہ ہے جس نے ہندوستان کے مسلمانوں اور ہندوؤں کو زندگی کے سینکڑوں مرحلوں پر ہم آہنگ اور ہم دوش کر دیا تھا کہ دونوں اپنے اپنے رنگ میں جدا تھے لیکن پھر بھی ایک تھے۔ ان کے کلچر کی روح ایک تھی۔ رنگ مختلف تھے اور اب یہ ہزار تخم کلچر اور غیر متمدن ہندوستان کی زبان خود فرقہ پرستی کے شعلوں کو ہوا دے رہی ہے۔ اس لئے کہ وہ اردو کو اپنا حریف سمجھتی ہے۔

(الجمعیۃ)

اُردو

اس موضوع پر اس قدر لکھا جا چکا ہے اور اتنا کہا گیا ہے کہ کوئی بھی انصاف پسند حکومت جس کے ایوان کی عمارت جمہوریت کے ستونوں پر کھڑی کی گئی ہو اثر لئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ لیکن نہیں معلوم کیا معاملہ ہے کہ جو زمیں جنبد نہ جنبد گل محمد والا معاملہ پیش آ رہا ہے اور اس سلسلہ میں چیخ و پکار کی آوازیں ہماری حکومت کے کانوں تک پہنچتی ہیں اس کے قلب پر ہمارا واویلا اثر نہیں کرتا۔ واللہ اعلم ہماری حکومت اب کون سے اقدام کی منتظر ہے۔ دورِ جمہوریت میں عوامی مطالبہ کو اس قدر درخور اعتنا نہیں؟ اتنا نہیں چاہیئے کہ عوام جوش میں آکر ایسی حرکات کے مرتکب ہوں کہ جو حکومت کے وقار کو صدمہ پہنچائیں۔ جمہوری حکومت کے کان ایسے تیز ہونے چاہئیں کہ بیرسٹے کی چیونٹی کی فریاد بھی سن سکے۔ نہ کہ ایسے بہرے کہ جن کے سر پر تو بجتا دو نقارے بج رہے ہوں اور وہ خواب غفلت سے نہ چونکے۔

آج ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے اُردو کے قتل عام پر صدائے واویلا بلند ہو رہی ہے لیکن حکومت کا رویہ انتہائی صبر آزما ہے اور اتنا عجیب ہے کہ جواب ہی ندارد ہے۔ اس سلسلہ میں پنڈت نہرو جیسی شخصیت کے بیانات اور اعلانات پر بھی کوئی ایکشن نہیں لیا گیا آخر کب تک یہ بے رخی جاری رہے گی اور کہاں تک یہ لاپرواہی برداشت کی جا سکے گی۔

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

پس اگر اقرار کی ہمت اور انکار کا یارا نہیں تو کم از کم یہی کہہ دیا

جائے کہ ہم کو کچھ یاد نہیں! تاکہ حضرت غالب کا یہ شعر پڑھ پڑھ کر ہی دل بہلایا کریں اور تحیر پڑھ کے خاموش ہو جائیں۔

تم ان کے وعدے کا ذکر ان سے کیوں کرو غالب
یہ کیا کہ تم کہو اور وہ کہیں کہ یاد نہیں

(نقل از ماہنامہ نئی دہلی)

دہلی میونسپل کمیٹی کا اُردو پر "احسانِ عظیم"

دہلی میونسپل کمیٹی نے اُردو زبان کے متعلق اپنا ڈیفنس پیش کرتے ہوئے ایک اعلان شائع کیا ہے جس میں ارشاد ہے کہ دہلی میں اس وقت آٹھ لڑکوں کے اور تین لڑکیوں کے ایسے اسکول موجود ہیں جہاں کہ اردو پڑھائی جا سکتی ہے۔

خوب! دہلی اُردو زبان کا مسکن۔ اُردو زبان یہاں پیدا ہوئی۔ یہاں ہی اس کو شباب نصیب ہوا اور یہاں کے ہندو اور مسلمان تمام ہی اس زبان کو لکھتے۔ پڑھتے اور بولتے ہیں۔ مگر اس شہر کی بیس لاکھ آبادی میں صرف گیارہ اسکول ہیں جہاں کہ اگر کوئی لڑکا یا لڑکی اردو پڑھنا چاہے تو یہ پڑھ سکتا ہے یعنی دو لاکھ نفوس کے لئے اوسطاً ایک اسکول یہاں ایسا موجود ہے جہاں کہ بچے اردو پڑھ سکتے ہیں۔

انجمن ترقی اُردو کو چاہئے کہ دہلی میونسپل کمیٹی کے اردو زبان پر کئے جا رہے اس "احسانِ عظیم" کے لئے ایک شکریہ کا ریزولیوشن پاس کرے۔ (ریاست دہلی)

ٹریننگ کالج اور اُردو

صوبہ یو۔پی میں کم و بیش ۵۰ گورنمنٹ ٹریننگ کالج ہیں جن میں اپر پرائمری اسکول بھی شامل ہوتے ہیں۔ ایسے اسکولوں میں بھی گورنمنٹ یو۔پی کے حکم کے مطابق اردو رائج ہو سکتی ہے۔ صوبہ کے سب اسکولوں میں تو چالیس کی شرط پوری نہیں ہو سکتی البتہ دس طلبا بآسانی مل سکتے ہیں۔

اولین شرط یہ ہے کہ مقامی کارکن اس طرف توجہ کریں اور آرڈر حاصل کر کے ٹریننگ کالج کے پرنسپل کے ذریعہ ہیڈ مدرس پرائمری اسکول تک پہنچائیں۔

ایک سال گزرنے کے بعد اب تک روزِ اول ہی ہے یعنی ایک بھی ٹریننگ کالج کے پرائمری درجات میں اردو کی تعلیم جاری نہ ہو سکی۔

اس سال ۱۵ر جون ہی سے پرائمری اسکول کھل رہے ہیں اس لئے ضرورت ہے کہ "انجمن ترقی اردو" کی تمام شاخیں اپنے ہاں کے کالج سے ملحق پرائمری اسکول میں اردو رائج کرانے کی کوشش کریں۔ جولائی کے بعد داخلہ بند ہو جاتا ہے اس لئے عجلت سے کام لینا ضروری ہے۔ انجمن ترقی اُردو کے کارکنوں سے مخلصانہ درخواست ہے کہ وہ اس طرف فوری طور پر توجہ مبذول فرمائیں اور اردو تعلیم کے اجراء کے لئے جد و جہد کا آغاز کر کے اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوں۔

عزیز الحسن صدیقی
سکریٹری انجمن ترقی اُردو غازی پور

آل انڈیا انٹر یونیورسٹی اُردو مقابلہ

دہلی یونیورسٹی کی بزم ادب ہندوستان کے تمام کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طالب علموں کو مندرجہ ذیل عنوان پر مضمون لکھنے کی دعوت دیتی ہے۔

ہندوستان کی تہذیبی ترقی میں اُردو کا حصہ — کیا ہے؟ اور کیا ہونا چاہئے۔

(۱) مضمون کم سے کم فل اسکیپ کے تیس تختوں پر پھیلا ہوا ہو اور نہایت خوشخط، صفحے کے ایک طرف لکھا جائے۔ ہر صفحہ پر تقریباً دو سو الفاظ ہوں۔

(۲) تمام مضامین شعبۂ اردو یا ادارے کی معرفت ۳۱ر اکتوبر ۱۹۵۵ء تک ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی صدر بزم ادب دہلی یونیورسٹی دہلی ۸ کے نام پہنچ جانا چاہئیں۔

(۳) بہترین مقالہ نگار کو ایک **طلائی تمغہ** انعام میں دیا جائے گا۔

(۴) بہترین مضمون کا انتخاب یونیورسٹیوں کے استادوں کا ایک بورڈ کرے گا جس کا فیصلہ قطعی اور آخری سمجھا جائے گا۔

(۵) مقابلہ میں شرکت کی اطلاع ۳۰ر جولائی ۱۹۵۵ء تک آنا ضروری ہے۔

گوپی چند نارنگ ایم۔اے
سکریٹری بزم ادب دہلی یونیورسٹی دہلی

پرنٹر پبلشر قاضی عبد الغفار نے نیشنل پرنٹنگ کمپنی علیگڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن سے شائع کیا

خبریں

حیدرآباد۔ ہندی پرچار سبھا حیدرآباد کی مجلس منتظمہ کا ایک اجلاس پنڈت ونایک راؤ ودیالنکار کی صدارت میں بتاریخ ۲۲ رمئی ۱۹۵۵ء کو منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں پوری ریاست کے ہندی کارکن شریک ہوئے اور سبھا کا بجٹ منظور کیا جو تین لاکھ روپیہ پر مشتمل ہے۔ جو سبھا کی تعلیمی اسکیموں پر صرف ہوگا۔ اس وقت پوری ریاست میں سبھا کے چار سو مراکز ہیں جہاں سے کارکن ہندی کی ترویج و اشاعت کا کام کرتے ہیں۔ اس دفعہ بجٹ میں ہندی تعلیم کی توسیع اور علمی درجے کے ادب کی اشاعت کے لئے بھی خاص طور پر کثیر رقم مختص کی گئی ہے۔ اسی طرح سے سبھا کے زیر اہتمام چلنے والے مفید الانام گرلس اسکول کو ہائی اسکول میں تبدیل کیا جا رہا ہے۔ نیز ٹریننگ کالج کی توسیع کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔ سبھا جب سے آندھرا سے متعلق بجواڑہ میں جو ادب نشٹ کالج کھولا ہے اس میں بھی توسیع کی جائے گی۔

مجلس منتظمہ کے اجلاس کی ابتدا میں سبھا کے معتمد عمومی نے سبھا کے سابق صدر مسٹر دیو لکشمی نارائن گپتا کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ گذشتہ سات سالوں میں شری گپتا جی کی رہنمائی میں سبھا نے بہت ترقی کی ہے اور ایک معینہ پالیسی کے تحت کام کرتی رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج حیدرآباد کے تہذیبی اور لسانی اداروں میں اس کا ایک خاص مقام ہے اور اس کو ہندوستان کے ہندی اداروں میں خاص مرتبہ حاصل ہے۔

آخر میں معتمد عمومی نے سبھا کے منتخب صدر پنڈت ونایک راؤ صاحب ودیالنکار کا استقبال کرتے ہوئے کہا کہ ونایک راؤ صاحب ریاست میں ہندی پرچار کے کاموں میں نمایاں طور پر کام دیتے رہے ہیں اور انہوں نے ابتدا ہی سے سبھا کے کاموں سے دلچسپی کا اظہار کیا ہے۔

بجٹ کی منظوری کے بعد مجلس عاملہ کے انتخابات عمل میں آئے اور حسب ذیل حضرات منتخب ہوئے۔

مسٹر جی گوپال راؤ ایکبوٹے، لکشمی نارائن گپتا، منیا کوڈور، شری رام شرما، گوپال راؤ ایسنگیکر، ونشی دھر ودیالنکار، ڈاکٹر ٹوکم چند، راج کشور پانڈے، مسٹر بنواس لاہوٹی، ہری لال واگھرے، کنور سینا گپتا، وٹا نرسنگ راؤ، روادیکی، چندرگپت آریہ، اجیت راٹھی، پدودیر، بنڈی دشنا ریڈی، ویشیور ناتھ گپت، مسندر ریڈی، بی۔ ڈی دیسائی، دیپ ناتھ ہیندویدی، رہبر دیو، ودیا واگھرے، گیا پرشاد شاستری اور شری کرشن گپتا۔

مدراس۔ مرکزی وزیر داخلہ نے مسٹر راجگوپال چاری کے نام ایک پیام روانہ کیا ہے جو آل انڈیا میٹرک کے امتحانات میں زبان کے مسئلہ سے متعلق ہے۔ مرکزی وزیر داخلہ نے یہ وضاحت کردی ہے کہ غیر ہندی جاننے والے رقیب کے امیدوار امتحانات ملازمت میں ہندی جاننے والے رقیب کے امیدوار امتحانات ملازمت میں ہندی جاننے والے رقیبوں کے امیدواروں کے مقابلے میں پیچھے نہیں رہ سکتے۔

راجہ جی نے ایک مقامی اخبار میں اپنا ایک خط شائع کرایا تھا کہ آل انڈیا میٹرک امتحانات کے بارے میں ۱۹۶۵ء تک انگریزی کے بجائے ہندی کو سرکاری زبان بنانے کے لئے جو فیصلہ کیا گیا ہے وضاحت اور تشریح کے باوجود جنوبی ہند میں ہنوز عوام کے دلوں میں غلط فہمیاں پائی جا رہی ہیں۔ راجہ جی نے اس مکتوب میں لکھا ہے کہ ۲۴ رمئی کو مرکزی وزیر داخلہ نے اس مسئلہ پر ایک بیان دیا جو ارسال روانہ کیا تھا اس کے ضروری اقتباس ان کی اجازت سے شائع کئے جا رہے ہیں۔ نیز وزیر اعظم نے بھی اس بارے میں مجھے ایک خط لکھا ہے۔

"موجودہ حکومت کے ذمہ دار ارکان نے جو تیقنات دئے ہیں اس کی وجہ سے نوجوانوں کو اب سرکاری ملازمتوں کے امتحان کے بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔

مرکزی وزیر داخلہ نے راجہ جی کے نام جو خط روانہ کیا تھا اس کا متن حسب ذیل ہے۔

"میں اس مسئلہ پر پوری طرح مطمئن ہوں کہ غیر ہندی بولنے والے طالب علموں کے امیدواروں کے مقابلہ میں کوئی مشکلات پیدا نہیں ہوں گی۔ ہندی کو سرکاری زبان کی حیثیت سے امتحان کر سکے

فیصلے سے دوسری زبانوں کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

حیدرآباد۔ شری گوپال راؤ اکبوٹے وزیر تعلیم حکومت حیدرآباد نے اردو ہال فنڈ میں ایک سو ایک روپیہ کا عطیہ دیا ہے۔ یاد ہوگا کہ سال گذشتہ انجمن ترقی اردو حیدرآباد کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی اردو کانفرنس کا افتتاح کرتے ہوئے شری اکبوٹے نے کہا تھا کہ ریاست حیدرآباد میں زبان واری رقابت کا نہ تو کوئی مسئلہ ہے اور نہ آئندہ کبھی پیدا ہو سکے گا۔

کانفرنس کے صدر شری پنڈت کشن پرشاد کول اور کل ہند انجمن ترقی اردو کے معتمد عمومی قاضی عبدالغفار نے شری اکبوٹے کے متعلق سے کہا کہ حیدرآبادی عوام عام طور پر اور اردو بولنے والے خاص طور پر خوش قسمت ہیں کہ انھیں شری گوپال راؤ اکبوٹے جیسی شخصیت وزارت تعلیم کے نظم و نسق کے لئے حاصل ہوئی ہے۔

یاد ہوگا کہ شری گوپال راؤ اکبوٹے نے اسی کانفرنس کے دوران ریاستی مدارس میں اردو ذریعہ تعلیم کی اشاعت و توسیع کے لئے کئی تیقنات بھی دئے تھے۔

جالندھر۔ پنجاب کے مختلف محکموں کے سکریٹریوں کی ایک کانفرنس میں زبان کے سوال کو مقرر کیا گیا ہے۔ اس گتھی کو سلجھانے کا کام کسی آئندہ میٹنگ پر ملتوی کر دیا گیا۔ انگریزی اور اردو کو ختم کرنے کا پروگرام صوبہ کے پلاننگ محکمہ نے پیش کیا تھا۔ جن دو صوبوں میں تقسیم کیا گیا ہے اس سلسلہ میں کسی نتیجہ سے پہلے گورنمنٹ کو سچر فارمولا پر غور کرنا ہوگا جس نے پنجاب کو ہندی اور پنجابی دو حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ اس وقت پنجاب میں دفتری زبان انگریزی ہے جس میں سیکشنوں ردوبدل کے بعد سکریٹریوں اور اضلاع کے درمیان خط و کتابت عمل میں آتی ہے۔ پنجاب ودھان سبھا کی زبان بھی انگریزی ہے اور انگریزی میں بھی کام انگریزی میں تیار کئے جاتے ہیں۔ عدالتوں اور اضلاع میں اردو مستعمل ہے۔ پلاننگ ڈیپارٹمنٹ نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ سنہ ۵۵ء سے سنہ ۶۰ء تک زبان بدلنے کی تیاری کی جائے اس کے بعد سنہ ۱۹۶۱ء میں تمام زبانیں ملے جلے طور پر استعمال کی جائیں اور سنہ ۶۲ء کے بعد انگریزی اور اردو کو مکمل طور پر ختم کر دیا جائے۔ پہلے دور میں انگریزی کی تمام کتابوں کا ہندی اور پنجابی میں ترجمہ کیا جائے گا۔ سرکاری ملازمین کو ہندی اور پنجابی دونوں زبانیں سیکھنا ہوں گی اور زبان قائم کیا جائے گا۔ اور اس غرض کے لئے دفتر کے وقت سے آدھ گھنٹہ وقت وقف کیا جائے گا۔ درحقیقت پنجاب میں تو سرکاری طور پر اردو کو ایک عرصہ سے ختم کر دیا گیا ہے۔ یہ تو اردو کے اخبارات ہی ہیں جنہوں نے اس وقت تک اردو کو زندہ رکھا ہوا ہے ورنہ جہاں تک کسی درسگاہوں کا تعلق ہے اردو عملی طور پر کہیں بھی نہیں پڑھائی جاتی۔ جب کبھی سوال کیا جاتا ہے تو ایسی باتیں تو ضرور کہدی جاتی ہیں جن سے یہ ظاہر ہو کہ اردو ختم کر دی گئی بلکہ سرکاری کاغذوں پر جو پروگرام بنایا گیا ہے اس میں اردو کے لئے کسی بھی اسکول میں کوئی گنجائش نہیں ہے کاغذی پروگرام کو دیکھا جائے تو عملی طور پر ہے اور عملی طور پر اردو کو ایک طرح سے بالکل ختم کر کے رکھ دیا گیا ہے۔ اردو اخباروں کے مالکوں کی سرد مہری تنگ نظری اور فرقہ پرستی بھی اس سلسلہ میں قابل دید ہے۔ ہم نے دیکھا کہ وہ ہندی کو تو بانس پر چڑھا دیتے ہیں اور وہ بھی زبانی جمع خرچ کے ذریعہ ہی مگر دوسری زبانوں کے پیچھے لٹھ لئے پھرتے ہیں۔ یہ کیا خوب ہے کہ وہ اردو کی وجہ سے اپنے پانچوں رنگ رہے ہیں اور خوب کماتے ہیں مگر اس زبان کی بقا کے لئے کچھ نہیں کرتے۔ اس سے زیادہ طوطا چشمی کا اظہار اور کیا ہو سکتا ہے کہ پنجاب میں اردو کے خلاف وہ طرح پنجابی کو کہیں اس کی صحیح جگہ نہ مل جائے۔ ہندوستان میں وہ اردو کے خلاف اس لئے ہیں کہ وہ اسے مسلمانوں کی زبان قرار دیتے ہیں۔ دیکھنا یہ ہوگا کہ کیا اردو واقعی مسلمانوں کی زبان ہے۔ اس زبان پر بھی کوئی کتنا ہی غور کرے اسے یہی اخذ کرنا پڑے گا کہ اردو میں انشا پردازوں اور شاعروں میں اکثریت مسلمانوں کی غالب ہے مگر غیر مسلموں نے بھی اس زبان کی کچھ خدمات کم نہیں کیں۔ اسے مسلمانوں کی زبان قرار دینا پرلے درجہ کی فرقہ پرستی اور تنگ دلی کا ثبوت دینے کے مترادف ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ پنجاب میں اسے اس لئے ہی ختم کیا جا رہا ہے کہ اس طرح پنجابی کو اس کا جائز مقام نہ لینے دیا جائے مگر یہ حقیقت نہیں کہ کشمیر اور پاکستان کے ادھر ادھر کے واقع ہونے کی وجہ سے پنجاب کو اردو کی سخت ضرورت ہے۔

دہلی۔ حکومت ہند کی طرف سے ہندی کمیشن کے ارکان کے ناموں کا اعلان کر دیا گیا ہے۔ اس کے صدر مسٹر بی جی کھیر سابق وزیر اعلیٰ صوبہ بمبئی ہیں اور ۲۰ ارکان میں مسٹر آئنگر نائب اسپیکر اسمبلی مسٹر جے نرائن ویاس سابق وزیر اعلیٰ راجستھان ڈاکٹر سید عابد حسین جامعہ ملیہ دہلی، سردار تیجا سنگھ سابق چیف جسٹس پیپسو، ڈاکٹر ایس کے چٹرجی صدر مغربی بنگال کونسل اور ڈاکٹر امرناتھ جھا شامل ہیں۔